پاکستان میں متجددانہ رجحانات کی حامل چند نمایاں شخصیات: تعارفی مطالعہ

Some of the Prominent Modernist Figures in Pakistan: An Introductory Study

* Muhammad Shahbaz

** Dr. Muhammad Shahbaz Manj

Abstract

The wave of modern trends in the subcontinent was so strong and powerful that many contemporary intellectuals and religious scholars from Pakistan were influenced by it. These scholars presented the interpretation and explanation of the religion of Islam which was very different from traditional interpretations. Some of them are those who denied the *Ḥadīths* of the Prophet and used to interpret *Ḥadīths* in such a way that was far from the traditional interpretations. Some of the prominent figures amongst these scholars are *Ghulam Ali Qasoori, Maulvi Abdullah Chakdalvi, Muhammad Ali Lahori, Tamanna Imadi, Dr Fazlurehman, Amin Ahsan Islahi, Javed Ahmed Ghamadi* etc. This paper is an introductory study of these modernist scholars and their thoughts.

Keywords: Modernists, thoughts, religion, interpretation, Islam

تمہید

برصغیر میں متجددانہ رجحانات کے حاملین کی لہر اس قدر مضبوط اور طاقتور تھی کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے عصر حاضر کے بہت سے دانشور اور مذہبی سکالرز اس سے متاثر ہوئے۔ ان سکالرز نے دین اسلام کی وہ تعبیر اور توجیح پیش کی جو ائمہ اسلاف کی تعبیر سے بہت کچھ مختلف تھی۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو سرے سے احادیث نبویہ ﷺ کا انکار کرتے تھے اور بعض احادیث کی ایسی تاویل کرتے تھے جو ائمہ محدثین کے منہج سے کوسوں دور تھی۔ پاکستان میں اس نوعیت کے افکار کی حامل شخصیات میں

* PhD Scholar Islamic Studies, University of Sargodha, Sargodha

** Assistant Professor of Islamic studies, University of Sargodha, Sargodha

غلام علی قصوری، مولوی عبد اللہ چکڑالوی، ڈاکٹر فضل الرحمن، مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی وغیرہ نمایاں ہیں۔ ان سطور میں مذکورہ سکالرز اور ان کے متجددانہ رجحانات کا تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

مولوی غلام علی قصوری-م1889ء

قصوری صاحب ضلع قصور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر قصوری فضلاء سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ضلع فیروز پور میں فوجیوں کے امام مقرر ہوئے، لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے مولانا محی غلام محی الدین بھگوی اور مولانا احمد دین بھگوی کے زیر سایہ دینی تعلیم مکمل کی، اور امر تسر تشریف لے گئے اور سرکاری مدرسہ میں نائب مدرس دینیات مقرر ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا غلام رسول کی وفات کے بعد 1277-1278ھ میں شہر کے قاضی مقرر ہوئے، اسی سال کے وسط میں انہوں نے سرکاری ملازمت چھوڑ دی کیونکہ آپ بزعم خود غیر شرعی امور کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔[1] یاد رہے کہ ان کا طبعی رجحان طریقت و تصوف کے برعکس تھا۔ قصوری صاحب نے 30 ذوالحجہ 1282ھ میں اپنی قصور کی جائیداد فروخت کر کے کڑہ سفید میں ایک قطعہ زمین بیس روپے میں خریدا اور اس پر مسجد اور رہائشی مکان تعمیر کیا اور مسجد میں مدرسہ تائید الاسلام جاری کیا، جس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد تھا۔[2] مولوی غلام علی قصوری نے کسی قابل ذکر علمی شخصیت سے علم حدیث حاصل نہیں کیا مزید وہ نہ صرف انگریزوں سے روابط رکھتے تھے، بلکہ ان کے ملازم بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلق صاحبزادگان کی گدی سے تھا جو قصور میں واقع ہے تو معلوم ہوا کہ ان کار حدیث کی بنیاد رکھنے میں یہی عوامل کار فرما تھے۔ آپ کی تصانیف اردو عربی اور فارسی میں ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ تفسیر قرآن مجید (سورۃ کہف تک یہ مسودہ ان کے نبیرہ کے پاس ہے۔ حدیث قرطاس (فارسی میں ہے)، تحریق قرآن، تعامل الکفار (فارسی) اس کا اردو ترجمہ بنام کفار کی نوکری شائع ہوا ہے۔ آپ 1307ھ میں قصور میں فوت ہوئے۔[3]

مولوی عبد اللہ چکڑالوی-م1915ء

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا، یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نور عالم کا بیٹا تھا، اس کو حدیث نبویؐ سے یہیں تک نفرت تھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبد اللہ رکھ لیا، اسی شخصیت کو عبد اللہ چکڑالوی کہتے ہیں، موصوف کی پیدائش انیسویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرے میں ہوئی، ان کا خاندانی پس منظر پردہ اخفا میں ہے، علمی گھرانہ نہ تھا بلکہ علاقائی رواج کے مطابق کچھ زمینیں تھیں۔ آبائی قصبہ کی نسبت سے چکڑالوی کہلائے۔ والد کا نام بھی معروف نہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کا نام عبد اللہ بن عبد اللہ بیان کیا ہے، ان کی اخلاف آج بھی قاضی کہلاتے ہیں۔[4] ابتدائی حالات، رحلت اور دینی تعلیم کہاں سے حاصل کی، آپ کے اساتذہ و شیوخ کون ہیں، سب نامعلوم ہیں، البتہ یہ معلوم ہوا کہ 1282ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ عربی زبان میں کافی وسیع مطالعہ کے حامل تھے، موصوف جدید علوم بالخصوص انگریزی سے ناآشنا تھے۔ موصوف خواجہ احمد دین امر تسری سے متاثر تھے۔ 1899ء میں خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے تو چکڑالوی صاحب اور ان کے مقتدی میاں چٹو اور محکم الدین خواجہ صاحب کے ہم خیال ہو گئے اور احادیث کو وحی الہیٰ اور "مثلہ معہ" سمجھنے کی بجائے کتاب اللہ کے قائل ہو گئے۔ انکار حدیث کا کھلم کھلا اظہار کرنے پر مسجد چینیاں کی انتظامیہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا تو انہوں نے سریاں بازار میں ایک نئی مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک انجمن قائم کی۔ اپنے نظریا

ت کی اشاعت کے لئے ایک رسالہ اشاعت القرآن جاری کیا۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے ترجمۃ القرآن آیات القرآن کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی۔ جس کے چند اقتباس مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال وافعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد ﷺ کے مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر یہی لوگ تھے۔

2۔ کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور چیز رسول ﷺ پر نازل ہوئی تھی، اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔

3۔ موصوف کے نزدیک نماز میں غیر قرآنی دعائیں مانگی جائیں تو وہ سب شرک ہیں۔ آپؐ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا تو قرآن مجید نکلتا تھا اور سہوا اپنے خیالات و قیاسات جن میں القاء شیطانی موجود ہوتا تھا، جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے بریت کر دی۔

4۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کا حدیث کے متعلق موقف کچھ اس طرح ہے کہ حدیث کی تشریح و تفصیل قرآن مجید کے سراسر مخالف ہے، اس وجہ سے مجھے اس بارے میں شک ہوا کہ حدیث محمد ﷺ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔

5۔ فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور بے سر اپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بد نما بناتی ہیں لیکن واضعین حدیث نے یہ بڑی کاری گری کی کہ اس کو خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ اور اس طرح اس کے بد شکل چہرہ پر سفید پاؤڈر مل دیا۔[5] عبد اللہ چکڑالوی فالج کی حالت میں 1915ء میں فوت ہو گئے اور انہیں چکڑالہ ہی میں دفن کیا گیا۔[6]

محمد علی لاہوری-م1951ء

محمد علی لاہوری قادیانی جماعت کی لاہوری شاخ کے امیر تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی (1835ء-1908ء) کے بعد حکیم نورالدین (1841ء-1914ء) کو مرزا قادیانی کے خلیفہ کی حیثیت حاصل رہی، اور جماعت احمدیہ یا قادیانیت میں تفرقہ رونما نہ ہوا تھا، اگرچہ اسی زمانے میں جماعت سے تعلق رکھنے والے دو افراد محمد علی لاہوری اور خواجہ کمال الدین (1870ء-1932ء) جماعتِ احمدیہ کے ان خیالات سے متعلق تحفظات رکھتے تھے، جو اسے عام مسلمانوں سے دور لے جا رہے تھے۔ حکیم نورالدین کا انتقال ہوا تو محمد علی اور خواجہ کمال الدین نے دیگر ساتھیوں کے ساتھ خود کو احمدیہ مسلم جماعت سے، جس کے امیر مرزا کے بیٹے بشیر الدین (1898ء-1965ء) منتخب ہوئے تھے، الگ کر لیا اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام یا لاہوری احمدیہ جماعت کی بنیاد رکھی۔ لاہوری احمدیوں کے پہلے امیر یہی محمد علی ہیں، جنھیں مولانا محمد علی اور مولوی محمد علی لاہوری بھی کہا جاتا ہے۔ لاہوری احمدیوں کا دیگر احمدیوں سے بنیادی اختلاف یہ ہے کہ وہ عام احمدیوں کی طرح مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے، بلکہ مجدد و مسیح مانتے ہیں۔ عام احمدی مرزا قادیانی کو نبی نہ ماننے کی بنا پر عام مسلمانوں کی تکفیر کرتے، جب کہ لاہوری تکفیر تو نہیں کرتے، البتہ مسیح موعود کو نہ ماننے کی بنا پر گنہگار تصور کرتے ہیں، تاہم احمدی جماعت کے لٹریچر کی بنیاد پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ علیحدگی سے قبل لاہوری جماعت کے افراد بھی مرزا کے نبی ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ تعلیمی کیریئر میں امتیازی حیثیت کے حامل محمد علی لاہوری ایم اے انگلش اور ایل ایل بی تھے۔ وہ 1897ء میں مرزا غلام احمد قادیانی سے متاثر ہوئے ہو کر جماعت

احمدیہ میں شامل ہوئے۔ مرزا غلام احمد نے محمد علی کو 1902ء میں شروع ہونے والے انگریزی مجلے "Review of Religion" کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ محمد علی لاہوری نے اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں، جن میں ان کی اردو اور انگریزی تفسیریں بھی شامل ہیں۔ موصوف 1874ء کو پیدا ہوئے اور 1951ء کو وفات پائی۔ آپ معجزات و خوارق کے منکر تھے۔[7] جنت کی حقیقت کے منکر و موؤل تھے۔[8]

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی-م1964ء

آپ عطا محمد خاں امر تسری کے ہاں محرم 28 اگست 1888ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد امر تسر کے مشہور رئیس اور سر سید و غالب کے ساتھی تھے، انٹر میڈیٹ کا امتحان امر تسر ہی سے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ پاس کیا، اور وظیفہ حاصل کیا، مزید تعلیم کے لئے لاہور تشریف لائے اور فارمن کرسیچین کالج سے بی اے کیا، اس امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایم اے ریاضی کے امتحان میں صوبہ بھر میں اول پوزیشن حاصل کی اور یونیورسٹی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ مشرقی کے والد نے اپنے خرچ پر انہیں انگلستان بھیجا۔ 1907ء میں موصوف نے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج سے ریاضی کے مقابلے کے امتحان میں شرکت کی، جس میں ستر پونڈ وظیفہ اور فاؤنڈیشن سکالر کا لقب ملا۔ 1912ء میں انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان مکینکل سائنس ٹرائپس میں شامل ہوئے اور صرف ایک سال میں پی-ای آنرز کی ڈگری حاصل کی۔[9] علامہ مشرقی کا اصل میدان تو یورپ سے حاصل کردہ ریاضی اور انجئیرنگ کی تعلیم تھا، چلتے چلتے ایک امتحان عربی کا بھی دے دیا اور علامہ معروف ہوگئے۔ موصوف جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ قلم میں بلا کی روانی اور تحریر و تقریر میں جوش وولولہ کی خوبی سے بھی مالامال تھے۔ چنانچہ لوگوں کا ان سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ اپنے سیاسی افکار کو مذہبی رنگ دیتے دیتے اسلام کی اساس ثانیہ کے درپے آزر ہوگئے اور حدیث پر اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ ان کی تصانیف تذکرہ اور ملا کے مذہب میں ہمیں ان کے شخصی افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ 1964ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور اچھرہ میں دفن کئے گئے۔[10]

تمنا عمادی پھلواری-م1972ء

اصل نام محی الدین تخلص تمنا جبکہ تمنا عمادی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ وطن مالوف کی نسبت سے پھلواری کہلوائے، تمنا عمادی صوبہ بہار کے ایک صوفی گھرانے میں 1918ء میں پیدا ہوئے۔ یہ مردم خیز علاقہ کئی اہل علم وصاحبِ قلم علماء کی جائے پیدائش ہے۔ آپ کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا شاہ نذیر الحق اور خاندانی بزرگوں مولانا علی نعمت اور منظور احمد سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا نے تدریس شروع فرمائی اور پندرہ برس تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔[11] مولانا تمنا عمادی کی مطبوعہ اور عام دستیاب کتب میں جمع القرآن، اعجاز القرآن واختلاف قرآت، حدیث کے مدون اول زہری اور تفسیر کے مدون اول طبری، سبیل المومنین، انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت زیادہ معروف ہے۔ ان کا نظریہ حدیث حسب ذیل ہے۔ "وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن مجید سے قریب تر ہو، اور باقی سب غلط ہے۔ چاہے ان بقیہ احادیث کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق علیہ احادیث ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ ایک حدیث جو قرآن مجید سے قریب تر ہے اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو، اور وہ صحاح ستہ کے علاوہ کی حدیث ہی کیوں نہ ہو، بلکہ شعیوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے، نومبر 1972ء میں وفات پائی"۔[12]

ڈاکٹر فضل الرحمٰن-م1988ء

ڈاکٹر فضل الرحمٰن ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ 21 ستمبر 1919ء کو ضلع ہری پور ہزارہ میں سرائے صالح کے ملک خاندان میں پیدا ہوئے، ان کے والد شہاب الدین دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، جہاں انہوں نے مولانا محمود الحسن (م1920ء) شیخ الہند اور فقیہہ اور صوفی مولانا رشید احمد گنگوہی (م1905ء) جیسی عظیم شخصیات سے تعلیم حاصل کی۔[13] ابتدائی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے والد کے ساتھ نجی طور پر مطالعہ کر کے درس نظامی کے نصاب پر عبور حاصل کیا۔ اور اس دوران انہوں نے فقہ، علم الکلام، حدیث، قرآن کی تفسیر، منطق اور فلسفہ کا مطالعہ بھی کیا، اور 1942ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ 1964ء میں وہ آکسفورڈ گئے۔ جہاں انہوں نے ابن سینا کی نفسیات پر ایک مقالہ تیار کیا اور اسلامی فلسفہ میں آکسفورڈ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔[14] آکسفورڈ سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے 1950ء سے 1958ء تک ڈرہم یونیورسٹی میں فارسی اور اسلامی فلسفے کی تدریس کی، بعد ازاں برطانیہ سے کینیڈا چلے گئے جہاں انہوں نے Mcgill University کے ادارہ برائے اسلامی علوم میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر پڑھایا۔ جب دوبارہ بیرون ملک چلے گئے تو جامعہ کیلفورنیا، لاس اینجلس میں مختصر عرصے تک بطور وزٹنگ پروفیسر پڑھانے کے بعد انہیں 1969ء کے موسم خزاں میں جامعہ شکاگو میں اسلامی فکر کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ 1986ء میں انہیں شکاگو میں ہارلی ایچ سوئفٹ امتیازی خدمات کا حامل پروفیسر نامزد کیا گیا۔[15] جنرل ایوب نے اپنے دور اقتدار میں جب سیاسی اور قانونی اصلاحات شروع کیں تو آپ نے نئی قائم شدہ مرکزی ادارہ برائے اسلامی تحقیقات میں بطور وزٹنگ پروفیسر شمولیت اختیار کی، بعد ازاں 1961ء سے 1968ء تک ادارہ کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔[16] واضح رہے کہ جنرل ایوب خان ادارہ تحقیقات اسلامی کو جن مقاصد کے لئے قائم کیا تھا وہ یہ تھے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کو عقلی اور آزدانہ فکری پیرائے میں پیش کرنا، مجملہ اور چیزوں کے جو اسلام نے انسان اخوت رواداری اور معاشرتی انصاف کے جو بنیادی اصول بتائے ہیں ان پر خاص زور دینا ہے، اسلامی تعلیمات کی ایسی تعبیر کرنا کہ جدید زمانہ کی عقلی اور سائنسی ترقی کے پس منظر میں اس کا تخلیقی اور فعال کردار واضح ہو سکے۔ اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون، فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی تحقیقات کا انتظام کرنا۔[17] ادارہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملکی قوانین کو کتاب وسنت کے مطابق بنانے میں حکومت کی مدد کی جائے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے اس دوران نہایت علمی اور مفید اصلاحات کے لئے ادارہ کے لئے مختلف موضوعات پر اپنی تحریرات سے مطلوبہ اہداف کو حاصل کرنے کے لئے احیاء دین کے حوالے سے بہت کام کیا۔ ادارہ سے تحقیقی مجلہ "فکر و نظر" کی اشاعت 1963ء میں ہوئی۔ اس مجلہ کے پہلے مدیر بھی ڈاکٹر موصوف رہے۔ اسلامی علوم اور تہذیب و تاریخ کے حوالے سے گراں قدر مقالات اس کی زینت بنتے رہے ہیں۔ برصغیر کی ممتاز علمی شخصیات کے رشحات قلم 'فکر و نظر' میں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ اس عرصے کے دوران اس کے کئی یادگار خصوصی نمبر بھی سامنے آئے، جنہیں دنیا بھر کے اردو دان طبقے میں سراہا گیا۔ "فکر و نظر" سہ ماہی جریدہ ہے اس وقت ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی میں قائم تھا۔ تو اس رسالہ کی اشاعت بھی کراچی سے شروع ہوئی، اس دوران انہوں نے اعلیٰ ترین پالیسی ساز ادارے اسلامی نظریاتی کونسل کے مشیر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ 1969ء میں پاکستان ایک افراتفری کے دور میں داخل ہوا جس کے دوران بائیں بازوں کی جماعتوں اور طلباء تنظیموں کی قیادت نے دورس نتائج کی حامل سیاسی تحریک چلا کر ایوب خان کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا اس دوران بھی بعض اسلامی حلقوں کی طرف سے ڈاکٹر فضل الرحمن کو مسلسل ہراساں کیا جاتا رہا۔

حتیٰ کہ ان کے پاس ملک چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا وہ امریکہ چلے گئے اور جامعہ شکاگو میں اسلامی فکر کے پروفیسر اور محقق کا انتہائی باعزت عہدہ قبول کر لیا، یہ کبھی پاکستان واپس نہ آئے۔ وہ 26 جولائی 1988ء کو 68 برس کی عمر میں دل کے آپریشن کے باعث امریکہ میں انتقال کر گئے اور وہیں پر دفن ہوئے۔[18] آپ کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1- Islamic methodology in history .

2-Proph Ecy in islam : Philosophy and Orthodxy.

3- Major Theme of Quran.

4- Islam and Modirernity.

تصنیفات کے علاوہ آپ کے کئی ایک مضامین ہیں یہاں صرف آپ کے ان مضامین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اردو زبان میں ہیں: اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت ، اجماع واجتہاد کے تصورات۔[19] سنت اور حدیث تصور سنت پر تفصیلی بحث۔ تحریک حدیث۔ حدیث اور اہل سنت والجماعت۔ سنت وحدیث۔[20] موصوف قصص قرآن کو بعینہ ماننا ضروری خیال نہ کرتے تھے۔ [21] چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن کا قانونی یا نیم قانونی حصہ خود واضح طور پر ایک موقع محل کی مناسبت بتاتا ہے مثال کے طور پر مسلمانوں اوران کے مخالفین کے درمیان جنگ اورامن قرآنی اعلانات خاصے مواقعاتی ہیں، ایسے بیانات جو سخت جدوجہد کی صورت میں کسی آبادی کے دشمن کے ساتھ برتاؤ سے متعلق تو ہیں تاہم وہ اتنے مواقعاتی ہیں کہ انہیں صرف قانونی کا درجہ ہی دیا جاسکتا ہے نہ کہ انہیں خصوصی قانون بنایا جائے۔[22] آپؐ پر نزول وحی کے خارجی نزول کو درست نہ سمجھتے تھے۔[23] ڈاکٹر فضل الرحمٰن عائلی قوانین کے بہت بڑے مداح، حامی اور داعی ہیں اور نعوذباللہ وہ انہیں قرآن مجید کے عائلی قوانین کا تسلسل سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: عائلی قوانین کا تعلق معاشرے سے ہے اور جو قرآن کریم اور سنت میں بھی عائلی قوانین ہیں اور وہ اس وقت کی معاشرتی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر جہاں جہاں ضرورت تھی بنیادی طور پر قبل از اسلام بھی وہ چیزیں موجود تھی، نکاح، طلاق، وراثت یہ سب چیزیں قبل از اسلام موجود تھیں، اس میں جہاں جہاں زیادتی تھی خاص طور پر عورتوں کے ساتھ، اس میں قرآن کریم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ان کی اصلاح کر دی گئی۔ ان کے ہاں چار شادیوں پر قدغن ہونی چاہئے: کیونکہ یہ حکم الٰہی 'اگر عدل نہ کر سکو' کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ ارشاد الٰہی 'پس نکاح کرو دو دو، تین تین اور چار چاراور اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی نکاح کرو' کی صریح نص اور 'عدل کر سکو' کے معنی ومفہوم میں تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: قرآن مجید میں چار تک شادیاں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی تعداد کو محدود کرنا اور پھر اس طرح مزید محدود یہ کہہ کر قرآن مجید میں کر دیا گیا کہ عدل کرو۔ میرے خیال میں سب سے پہلے عدل شرط ہے، عدل یہ نہیں کہ آپ بیویوں کو نان نفقہ دے دیں۔[24] تعدد ازدواج کے بارے میں لکھتے ہیں: میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اگر معاشرتی اور معاشی طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا لازمی طور پر ہے تو ٹھیک ہے آپ اس کو اجازت دے دیجئے! صرف معاشرے پر آپ بات نہیں کر رہے، اگر لوگ یہ ضرورت سمجھیں کہ ایک عورت دو مردوں سے تین مردوں سے چار مردوں سے تعلقات رکھے تو آپ اس کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کیوں؟ کیونکہ آپ معاشرے کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر رہے ہیں، آپ فیصلہ دیتے ہیں رواج، اقدار اور اسلامی روایات کے اوپر، تو اسلامی روایات پر اگر آپ کمپرومائز کر رہے ہیں کہ آپ عدل کے بغیر بھی اجازت دے رہے ہیں تو پھر اس کا مطلب ہے واضح طور پر قرآن وسنت کی رہنمائی میں نہیں ہے[25]۔

مولانا امین احسن اصلاحی-م1997ء

مولانا امین احسن اصلاحی مدرسہ کے ایک جلیل القدر عالم دین اور ممتاز سکالر تھے۔ آپ حمید الدین فراہی کے آخری عمر کے تلمذ خاص اور ان کے افکار و نظریات کے ارتقاء کی پہلی کرن ثابت ہوئے۔[26] آپ کی پیدائش 1904ء میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں موضع بمہور میں ہوئی، آپ کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم وتربیت سرکاری مکتب میں مولوی بشیر احمد جبکہ دینی مکتب میں مولوی فصیح احمد ان کے استاذ تھے یہاں سے آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ جب دس سال کے ہوئے تو آپ کے چچا مولانا شبلی متکلم ندوہ (مہتمم مدرسۃ الاصلاح) کے ایماء پر امین احسن کے والد نے 9 جنوری کو انہیں کے مدرسۃ الاصلاح کو سرائے میر میں داخل کر دیا، آپ کو مکتب کے آخری تیسرے درجے میں بٹھایا گیا۔ مدرسہ میں مو لانا امین احسن اصلاحی نے آٹھ سال کی نصابی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران آپ نے علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم بھی حاصل کی، اردو فارسی، انگریزی اور خاص طور پر عربی زبان میں بھی مہارت حاصل کی، کہ آئندہ کے تحقیق و تدبر کی راہیں خود طے کر سکیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی دوران تعلیم ایک ذہین اور قابل طالب علم کی حیثیت سے نمایاں تھے[27] مدرسہ سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ سہ روزہ مدینہ بجنور کے نائب مدیر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں، یہ اخبار ان دنوں تحریک خلافت کا علمبردار سمجھا جاتا تھا۔ 1925ء میں مولانا امین احسن اصلاحی نے صحافت کو خیرباد کہہ کر حمید الدین فراہی کی خواہش پر علوم القرآن میں تخصص کی غرض سے ہمہ وقت مدرسۃ الاصلاح سے وابستہ ہو گئے مدرسہ میں تدریسی فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ کے طریقہ تفسیر میں مہارت حاصل کی۔ عربی شاعری کی مشکلات میں ان سے مدد کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور فلسفہ کی بعض کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ جماعت اسلامی کی تشکیل 26 اگست 1941ء کو ہوئی، مولانا اصلاحی اگر چہ تاسیسی اجتماع میں شریک نہ ہو سکے، لیکن ان کے مخلصانہ تعلق کے پیش نظر ان کو جماعت اسلامی کے ارکان میں شامل کر کے آلہ آباد، بنارس، گورکھپور فیض آباد، ڈویژن اور صوبہ بہار کا صدر مقام سرائے میر کو قرار دے کر مولانا امین احسن اصلاحی کو ان کا نائب مقرر کیا گیا، کچھ ہی عرصہ میں آپ کو مولانا مودودیؒ اور ارکان شوری کے ہاں اتنا اعتماد حاصل ہو گیا کہ آپ مولانا مودودی کے جانشین کی حیثیت حاصل ہو گئی، بعض اختلافات کی بنا پر 18 جنوری 1958ء کو آپ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ مو لانا فراہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے ایک ایسی تفسیر قرآن لکھی جو حقیقی معنوں میں فکر فراہی کی غماز تھی، تفسیر میں صرف ہونے والی اپنی اور استاد کی محنتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں: "تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی پو رے 55 سال صرف کئے ہیں جن میں 23 سال صرف کتاب کی تحریر و تسوید کی نظر ہوئے ہیں اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاد امام نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا نصف بنتا ہے اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ کے فکر کے ساتھ ملانا بے ادبی خیال کرتا ہوں لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر استاذ کے سر میں اپنا سر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ کے طور پر ظہور میں آیا ہے، اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فر مائے، تفسیر تدبر قرآن اگست 1980ء میں مکمل ہوئی۔"[28]

موصوف بنیادی طور پر حدیث رسولؐ کا استخفاف اور انکار، حد رجم اور احادیث رجم، معجزہ اسراء و معراج، مقام محمود، سیدنا موسیٰ اور خضر علیہم السلام سے متعلق متفق علیہ روایات، یاجوج ماجوج سے متعلق احادیث، کشف ساق والی احادیث، اصحاب الاخدود

سے متعلق احادیث، عذاب قبر، المسیح الدجال کا انکار کرتے ہیں اور اسی طرح معجزات قرآنی کا انکار (انفلاق بحر، کوہ طور کا سروں پر اٹھایا جانا، بندر بنایا جانا، سیدہ مریم علیہ السلام کی کرامت، سیدہ حوا علیہ السلام کا آدم کی پسلی سے تخلیق، سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر، سیدنا ایوب علیہ السلام کی شفایابی، آپؐ پر جادو وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔[29]

ڈاکٹر غلام جیلانی برق-م1998ء

یہ سرکاری ملازم تھے، ان کی تحریر میں چاشنی تھی۔ ان کی کتب میں دو قرآن، دو اسلام، جہاں نو، اور حورف محرمانہ، اللہ کی عادت، وغیرہ بسلسلہ انکار حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مرزا صاحب درست فرماتے ہیں، کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی ولفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔ رسولوں کی اطاعت درکنار رہی برق صاحب کے ہاں خود رسولوں پر بھی ایمان لاضروری نہیں تھا، چناچہ لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے "امنوا باللہ والیوم الاخر" کو بنیادی قبول اعمال کی شرط قرار دیا ہے اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں"۔[30] ایک جگہ علماء کرام کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے: "آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لئے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہی ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہو، یا یہودیت کا، ناوہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو عملا کافر"[31] ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی، اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہوگے۔ موصوف کی آخری تصنیف تاریخ حدیث ہے جس میں انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کرتے ہوئے اپنے انکار حدیث کے نظریات سے یکسر تائب ہونے کا اظہار کیا ہے۔ 1998ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے۔[32]

جاوید احمد غامدی

آپ 1951ء میں ساہیوال کے علاقے پاک پتن میں پیدا ہوئے آپ کا آبائی علاقہ سیالکوٹ کا دادو نامی قصبہ ہے آپ نے ابتدائی تعلیم پاک پتن کے ایم سی پرائمری اور میٹرک کی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول پاک پتن میں دسویں تک حاصل کی، پھر پانچ سال گورنمنٹ کالج میں گزارے، فلسفہ اور انگریزی ادب میں بی اے آنرز کیا، 1972ء کو فراغت ہوئی۔ ناگپال (ضلع ساہیوال)کی مسجد کے امام مولوی نور محمد صاحب سے شرح جامی تک عربی اور پندنامہ تک فارسی پڑھی، نویں جماعت تک فنون کی تمام کتب ختم کر لیں۔ بعد میں صوفی ضیاء الحق سے مقامات ہمدانی، مولانا عطاء اللہ سے مسند دارمی پڑھی اور اپنے استاد امین احسن اصلاحی سے کچھ حصہ تفسیر قران پڑھی، موطا مالک، قرآن وحدیث پر تدبر کے اصول ومبادی اور فلسفہ جدید کے بعض مباحث پڑھے شعر وشاعری کا شوق شروع ہی سے تھا۔ 1968ء-1979ء کے زمانہ میں کچھ اشعار بعض مجلات میں شائع بھی ہوئے۔ کالج کے آخری سال میں مولانا فراہی کی بعض کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، کسی کتاب میں ان کے شاگرد رشید جناب مولانا امین احسن اصلاحی کا تذکرہ بھی تھا، ڈاکٹر اسرار صاحب کی وساطت سے ان تک پہنچنے کا اتفاق ہوا، 1973ء میں ان سے وابستہ ہوگئے اور 1983ء تک دس سال ان کے ساتھ گزارے، مولانا اصلاحی کی فکر غامدی صاحب کے لئے نئے قرآن کی دریافت ثابت ہوئی، اور 1983ء میں جب مولانا اصلاحی سے تعلیم کا مرحلہ مکمل ہوا تو غامدی صاحب کے معتقدات کی دنیا میں ایسا اضطراب پیدا ہو چکا تھا کہ ہر چیز اپنی جگہ چھوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، لہذا نئی عمارت کی ضرورت تھی، اگلے سات برس اسی بندوبست کی نذر ہوگئے۔ چھٹی یا ساتویں کے استاد نصیر الدین ہمایوں کی وساطت سے مولانا مودودی صاحب کے نام اور کام سے تعارف ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں اسلامی جمعیت کا سالانہ اجتماع ہوا، مولانا مودودیؒ کو دیکھا تو ان کی دل نواز شخصیت کے اسیر ہو گئے۔ کالج کے زمانے کے دوستوں سے مل کر دائرۃ الفکر کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ مارچ 1973ء کو دائرۃ الفکر سے اشراق نامی مجلہ جاری کیا، لیکن ڈیکلریشن نہ ملنے کے باعث وہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا، کچھ عرصے بعد دائرۃ الفکر کا نام تبدیل کر کے دارالاشراق رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں مولانا مودودی صاحب کی خدمت بکثرت حاضری رہی، ان سے کام کا ذکر کیا، سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ غامدی صاحب اور مولانا مودودی کے نام سے ایک مشترکہ اکاؤنٹ حبیب بینک اچھرہ میں کھولا گیا، مولانا مودودی اس اکاؤنٹ میں اپنی جیب سے ہزار روپے ماہانہ جمع کرواتے تھے، غامدی صاحب بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ اچھرہ منتقل ہو گئے۔ اس دوران مودودی صاحب کی خواہش پر غامدی صاحب جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ 1976ء میں اچھرہ سے بوری بستر اٹھایا اور 'مرید کے' منتقل ہو گئے اس کے بعد 1977ء میں غامدی صاحب کو جماعت اسلامی سے نکال دیا گیا۔ لیکن وہ ابھی بھی مودودی صاحب کی زلف کے اسیر ہیں، اور ان کی جماعت کو اپنی برادری سمجھتے ہیں۔ قیام مرید کے کے دوران غامدی کے توجہ دلانے پر آپ کے رفقاء نے ایک رسالہ 'الاعلام' شروع کیا، جو کچھ عرصہ بعد بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد ماہنامہ اشراق کی اجازت ایک ساتھی کے نام پر ملنے کے بعد جنوری 1979ء کے شمارے میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ ابھی اس کے دو شمارے جاری کئے تھے کہ اسے بھی بند کرنا پڑا۔ شروع میں غامدی صاحب نے 'تدبر قرآن وحدیث' کے نام سے ادارہ قائم کر کے تدبر رسالہ شروع کیا، لیکن جلد ہی اس ادارے سے الگ ہو گئے۔ اس کے 1983ء میں المورد اور 1985ء میں اشراق کا آغاز کیا اسی طرح رینی رساں نامی رسالہ بھی 1990ء سے اب تک جاری ہے۔ ان کے نزدیک سنت صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو۔[33] غامدی صاحب نے اپنی دلیل صحیح مسلم سے " انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ[34]" نقل کی ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے، یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔ علم وعقیدہ، تاریخ وشان نزول اور اس طرح کی دوسری چیزوں کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سنت کا لفظ اس سے انکار کرتا ہے کہ ایمانیات کی کسی بھی قسم پر اس کا اطلاق کیا جائے۔[35] مجموعی طور پر غامدی صاحب نے علماء محققین سے ہٹ کر تجدد کا راستہ اپنایا ہے۔

خلاصۂ بحث

پاکستان سے تعلق رکھنے والے عصر حاضر کے بہت سے دانشور اور مذہبی سکالرز مغربی افکار سے متاثر ہو کر متجددانہ افکار پیش کرنے لگے۔ ان سکالرز نے دین اسلام کی وہ تعبیر اور توجیح پیش کی جو ائمہ اسلاف کی تعبیر سے بہت کچھ مختلف تھی۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو سرے سے احادیث نبویہ ؐکا انکار کرتے تھے اور بعض احادیث کی ایسی تاویل کرتے تھے جو ائمہ محدثین کے منہج سے کوسوں دور تھی۔ اس نوعیت کے افکار کی حامل شخصیات میں سرسید احمد خاں، علامہ عنایت اللہ مشرقی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، مولوی عبد اللہ چکڑالوی، حافظ محمد اسلم جیراجپوری، مولانا امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر خالد مسعود، جاوید احمد غامدی وغیرہ نمایاں ہیں۔ ان سطور میں پاکستان کے نمایاں متجددانہ رجحانات کے حاملین اور ان کے متجددانہ رجحانات کا تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ارٹیکل سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں متجددانہ رجحانات کی حامل متعدد شخصیات وقت کے ساتھ ساتھ سامنے آئیں، جنھوں نے روایت سے ہٹ کر تعبیر اسلام پیش کی۔ ان لوگوں کے بہت سے نظریات کو روایتی حلقے خلاف اسلام حتی کے بعض صورتوں میں اسلام کا انکار قرار دیتے ہیں۔

References

1 Abdul Ghaffār Ḥasan, Aẓmat Ḥadīth (Islamabad: Dār al-ʻĀlam, 2015AD), 29.
2 Muhammad Ḥanīf Nadvī, Study of Ḥadīth (Lahore: ʻIlam-o-Irfān Publishers, 2003), 1-33.
3 Khwāja Aḥmad Dīn Amritsārī, Teshīl Burhān Al-Qurān (Lahore: Dost Societies, Bt), 45.
4 Maulvī Abdullah Chadālvī, Translation of the Qur'an with the verses of the Qur'an (Lahore: Maktbah al-Qurān, 1320AH), 97.
5 Chakdalavī, Translation of the Qur'an with verses of the Qurān, 90.
6 Amritsarī, Tashil Burhān al-Qurān, 45.
7 Ṭāhā 77:20.
8 Muhammad Alī Lāhorī, Bayān al-Qurān (Lahore: Ahmadiyya Anjuman 1377 AD), 1: 49.
9 Ḥamīduddīn Ibn Al-Mashriqī, Ḥazrat Allāma Ināyatullah Khān Al-Mashriqā (Lahore: Bāb al-Ishāt Khāksār Teḥrīk, 1999), 3.
10 Ibn al-Mashriqī, Ḥazrat Allāma Inayatullah Khān al-Mashriqī, 5.
11 Tamnā-Imādī, Ijāz-e-Qurān wa Ikhtlāf-e-Qirāt Rahmān (Karachi: Karachi Publishing, 1994), 54.
12 Mohiyūdīn Tamnā Imādī, Ijāh al-Sākhn Bittuzīḥ Asla Hā Sākhin (Dhaka: Al-Karam Publishers, 1961), 27.
13 A.G. Nūrānī, Dr. Fazlur Raḥmān (Karachi: Maktab Al-ʻlIam, 2014), 77.
14 AG Nūrānī, Dr. Fazlur Raḥmān, 114.
15 Mūsā Ibrāhīm, A Study of Revival and Reform Fundamentalism in Islam, One World (London: Oxford University Press 2006), 1.29.
16 Aḥmād Dānish, "Dr. Fazlur Reḥmān's Concept of Ḥadīth and Sunnah," Thought and Vision, Islamic Research Institute, Islamabad, Volume 1, Issue 1. (1963), 4.
17 Aḥmad Dānish, "Dr. Fazlur Raḥmān's concept of Ḥadīth and Sunnah", 2.
18 Dr. M Shahbāz Manj, Fikr-e- Istishraāq and its influence on the world of Islam, 199.
19 Ahmād Dānish, "Dr. Fazlur Raḥmān's concept of Ḥadīth and Sunnah", 7.19.
20 Aḥmād Dānish, "Dr. Fazlur Rahmān's concept of Ḥadīth and Sunnah", 22.
21 Ādam, Islām and the Modernization Movement in Egypt, 368.
22 Fazlur Raḥmān, Two Islam, 49.
23 Manj, Fikr-e-Istishrāq and its influence in the world of Islam, 132.
24 Aḥmad Dānish, "Dr. Fazlur Rahmān's concept of Ḥadīth and Snnah", 23.
25 Fazlur Raḥmān, Two Islam, 48.
26 Shakīl Ahmād QureshI, "A Research Review of Tafsīr Al-Iṣlāḥī by Maulānā Amīn Aḥsan Iṣlāhi" Al-Ayam 6, Issue 2 (Karachi: Council of Research for Islamic History and Culture, 2015), 35.
27 Shakīl Aḥmad Qureshī, "A Research Review of Tafsīr Al-Iṣlāhī by Maulānā Amīn Aḥsan Iṣlāhī" Al-Ayam 6, Issue 2 (Karachi: Council of Research for Islamic History and Culture, 2015), 35.
28 Qureshī, A research review of Maulānā Amīn Aḥsan Iṣlāhī's Tafsīr al-Tafrīdah, 38.
29 Ḥāfiz Ṣalāḥuddīn Yūsuf, Maulānā Amīn Aḥsan Iṣlāhī, The Light of His Hadith and Commentary Ideas (Karachi: Al-Madinah Islamic Research Center, 2018), 550-560.
30 Ghulām Jīlānī Barq, Ḥarf Maḥramānah (Lahore: Sheikh Ghulām Alī and Sons), 75
31 Ghulām Jīlānī-Barq, Two Islam (Lahore: Sheikh Ghulām Alī Sons), 48.
32 Iftikhār Aḥmad Bālkhī, Scene and Background of Denial of Hadith (Karachi: Chirag Rah School), 1: 163.
33 Javed Aḥmad Ghāmdī, Uṣūl-o-Mabādī(Lahore: Almoud Institute of Science and Research, 2008), 72.
34 Muslim Ibn al-Ḥajāj al-Nashāpūrī, Al-Ṣahīh al-Muslim (Lahore: Dar al-Salaam, 2001), 1492.
35 Ghāmdī, Uṣūl-o-Mubādī, 73.